اردو ادب کی سعید روح......جعفؔر بلوچ مرحوم

ڈاکٹر انور سدید

دکھ کی بات یہ ہے کہ اردو ادب کی ایک سعید روح گزشتہ روز اس جہانِ فانی سے شبنم کی بوند کی طرح اڑ گئی۔ یہ اردو کے جواں عمر شاعر، ادیب، دانشور اور معلمِ ادب جعفر بلوچ تھے جو ایک دن پہلے تک میرے ساتھ ٹیلی فون پر باتیں کر رہے تھے اور اگلی صبح ڈاکٹر انور محمود خالد نے اطلاع دی کہ وہ عالمِ جاودانی کو سدھار گئے ہیں۔ دکھ ہوا کہ ایک درویش مزاج، غنی صفت اور استغنا پسند شاعر جس نے لیّہ کے صحراؤں میں بادِ سموم اور یتیمی کے مغموم جھونکوں میں پرورش پائی تھی اور ۱۹۶۹ء میں لاہور آ کر اُس دور کے اکابر شعراء حفیظ جالندھری، نعیم صدیقی، احسان دانش، طفیل ہوشیار پوری، نظیر لدھیانوی اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے ساتھ مشاعرے پڑھے تھے اور داد حاصل کی تھی۔ اب زیرِ لحد چلا گیا تھا۔ ایک چمن بولتا ہوا خاموش ہو گیا تھا اور میرے جیسے تمام لوگ جو ۸۰ء کی دہائی میں قدم رکھ رہے ہیں، نالہ بہ لب تھے کہ یہ جعفر بلوچ کے زندہ رہنے اور ادب تخلیق کرنے کے دن تھے، موت نے اس کے دروازے پر دستک کیوں دی؟ اور دی تھی تو جعفر بلوچ نے دروازہ کیوں کھولا اور موت کے ساتھ چل دینے کی جلدی کیوں کی؟

ان سب سوالات کا جواب ملنا ممکن نہیں، میرے کان میں اُس کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے:

''انور سدید!......موت سے کس کو رُستگاری ہے؟''

جعفر بلوچ کا تعلق ادباء کی اس نسل سے تھا جو آزادی کے ہنگاموں میں پیدا ہوئی اور جب مہاجر اور مقامی لوگ متروکہ مکانوں، دکانوں اور زمینوں کی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے تھے اور ہر جگہ ضمیر فروشی ہو رہی تھی۔ اس فضا میں کمسن جعفؔر کو اپنے والد غلام حسن خان کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا لیکن غنیمت بات یہ ہے کہ لیّہ کے مضافاتی شہر میں اس وقت انسان دوستی کی تابندہ روایت موجود تھی۔ یتیم جعفؔر کو اُن کے والد کے دوست عبدالکریم خان بلوچ موضع لوہانچ نشیب سے لیّہ لے آئے۔ اُس کے سر پر دستِ شفقت رکھا، اس کی تربیت کا فریضہ خود اپنے ذمے لیا اور اس کی تعلیم کا انتظام واہتمام کالج تک کیا۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے جعفر بلوچ کے تعلیمی ایام کا تذکرہ کیا تو بتایا کہ وہ لیّہ گورنمنٹ کالج میں ان کا شاگرد تھا۔ اس کے ذوق کی ابتدائی پرورش تو اس کے مربی حکیم عبدالکریم بلوچ نے ہی کی تھی لیکن شاعری کے ذوق کو پروان چڑھانے میں نسیم لیّہ کا تعاون اور رہبری زیادہ سود مند ثابت ہوئی۔ انھوں نے ہی جعفؔر کو علامہ اقبال اور ظفر علی خان کی

شاعری کا بغور مطالعہ کرنے، مطالب سمجھنے اور الفاظ و تراکیب کی تفہیم و دانش کا رستہ دکھایا۔

مجھے محکمہ آبپاشی کوٹ ادو میں خدمات سرانجام دینے کا موقع ملا تو نسیم صاحب سے میونسپل لائبریری لیّہ میں ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس دور افتادہ شہر میں شاعری کی روشنی جن لوگوں نے پھیلائی تھی اُن میں دو نام اہم ہیں۔

اول...... خیال امروہوی جو اردو شاعری میں سلسلۂ ''خیالیہ'' کے بانی ہیں، جس طرح سیماب اکبرآبادی کے شاگرد اپنے نام کے ساتھ ''سیمابی'' لکھتے ہیں، اسی طرح لیّہ کے گردونواح کے شعراء جنھوں نے خیال امروہوی کے سامنے تکیہ تلمذ تہہ کیا ہے، اپنے نام کے ساتھ ''خیالی'' لکھتے ہیں۔ گفتار خیالی (مرحوم) اور جسارت خیالی کے نام یہاں بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں جنھوں نے خیال امروہوی کے نام کے ساتھ اردو ادب کو بھی روشن کیا۔

دوم...... جناب نسیم مرحوم جن کے وطن لیّہ کا نام ان کے اسم گرامی میں تخلص کی طرح شامل ہوگیا ہے (جناب غافل کرنالی بھی اس خطے سے معروف ہوئے لیکن وہ جوانی کے عالم میں وفات پاگئے اور ان کا حلقۂ اثر پھیل نہ سکا) نسیم لیّہ چونکہ لائبریرین بھی تھے، اس لیے اپنے شاگردوں کے مطالعے میں وسعت کا باعث بھی بنتے تھے۔ انھیں اساتذہ کے دیوان بالاستیعاب پڑھنے کی عادت ڈالتے اور شاعری کے ریاض کے لیے مشکل ردیف وقوافی میں ان سے مشقِ سخن کراتے۔ جعفر بلوچ نے اپنے آخری انٹرویو میں، جو ان کی وفات کے مہینے (اگست ۲۰۰۸ء) میں اردو کے ممتاز ماہنامہ ''الحمراء'' میں چھپا ہے، اعتراف کیا ہے کہ:

> ''شاعری میں میرا رشتۂ تلمذ اوّل اوّل حضرت نسیم لیّہ سے ۱۹۶۴ء میں قائم ہوا۔ اُس زمانے میں، میں گورنمنٹ کالج لیّہ میں سالِ اوّل کا طالب علم تھا۔ نسیم صاحب قریباً روزانہ مجھے ایک مصرعہ طرح دیتے اور میں غزل کہہ کر دوسرے دن انھیں سناتا۔ وہ غزل کے محاسن و معائب پر گفتگو کرتے اور میرا دل بڑھاتے۔''

جعفر بلوچ نے راجہ عبداللہ نیاز کی قدرتِ کلام اور نفاستِ طبع سے بھی اپنے دل کو روشن کرنے اور فنی نکات پر ان کی گفتگو سے استفادہ کا ذکر کیا ہے۔ لاہور میں انھوں نے حضرت احسان دانش کی محفلوں میں بیٹھنے اور مترادفات کی لغت میں ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل کیا۔ یہاں احسان دانش کی ایک اصلاح کا ذکر ضروری ہے جو انھوں نے جعفر بلوچ کے کلام پر برجستہ کی۔ جعفر بلوچ نے نعت کے حسبِ ذیل شعر میں ''وجدان'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ احسان دانش نے یوں اصلاح کی:

''لفظ جو صرفِ نعتِ نبی ہو گئے
میرے ایمان کی روشنی ہو گئے''

اس شعر میں ''ایمان'' جناب احسان دانش کا عطیہ ہے اور جعفر بلوچ کی عظمت یہ ہے کہ اُس نے اس عطا کا احسان زندگی کے آخری ایام میں بھی برملا کیا۔ احسان شناسی جعفر بلوچ کے مزاج کا فطری حصہ تھا اور اس کی بڑی مثال یہ

ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے اُن کرم فرماؤں، دوستوں اور معاصرین کو ہمیشہ یاد رکھا، جنھوں نے کبھی ان کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا تھا اور حد یہ ہے کہ ان کے ادبی اثاثے کے تحفظ میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ چنانچہ ''مطلعین'' کے نام سے راجہ عبداللہ نیاز اور اسد ملتانی کا کلام شائع کیا۔ لیّہ اور مظفر گڑھ کے شعراء کو خراجِ تحسین ادا کرنے کے لیے ''آیاتِ ادب'' کے نام سے ایک تذکرہ مرتب کیا۔ ''ارمغانِ نیاز'' میں جناب عبداللہ نیاز کے حالاتِ حیات اور ''صبحِ سخن'' میں اپنے مقدمے کے ساتھ ان کا منفرد کلیات پیش کیا۔ ساقی الحسینی لیّہ کالج کے استاد تھے اور عنفوانِ شباب میں فوت ہو گئے تھے۔ جعفر بلوچ نے ان کے تنقیدی مضامین تلاش کر کے ان کا مجموعہ شائع کیا۔

جعفر بلوچ نے اکتسابِ فن میں جن ممتاز شخصیات سے فیض اٹھایا، ان میں چند اصحاب کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جب اساتذہ نے انھیں مشورۂ سخن سے مستثنیٰ قرار دیا تو انھوں نے خود اپنی شاگردی اختیار کر لی۔ یہ اُن کی تشکیک کا دور تھا۔ شعر کہتے تو منتخب الفاظ پر کمند پھینکتے۔ اکثر منتخب بحر کے الفاظ ان کی دسترس میں آ جاتے لیکن کسی لفظ کے استعمال اور معنیٰ پر شک پڑ جاتا تو اپنے دیوان سے رہنمائی حاصل کرتے اور وہیں سے سند حاصل کرتے۔ یہ بات میں نے اپنے مشاہدے سے پیش کی۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک ایسے غریب لفظ کے معنیٰ تلاش کرنے کی کوشش کی جو کم کم استعمال ہوتا تھا تو جعفر بلوچ کو ٹیلی فون کیا۔ انھوں نے ایک شعر پڑھا جس میں یہ لفظ بڑی خوبصورتی اور معنوی صحت سے استعمال ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: ''کس استاد کا شعر ہے؟'' فرمایا: ''جعفر بلوچ کا''......اس کے ساتھ ہی کھل کر قہقہہ لگایا اور کہا ''جب میں نسیمِ لیّہ سے مشورۂ سخن کر رہا تھا تو وہ اکثر مجھے لغت سے مشکل الفاظ تلاش کر کے دیتے اور مصرع طرح کی غزل میں استعمال کرنے کا حکم دیتے۔ غلط استعمال پر سرزنش کرتے، صحیح استعمال پر داد دیتے۔ بہت سے ایسے الفاظ میری بیاض میں درج ہیں جو آج کے شعراء نے کم استعمال کیے ہیں۔ میں اب انہی سے رہنمائی حاصل کرتا ہوں''...... یہ کہہ کر جعفر بلوچ نے ایک اور زوردار قہقہہ لگایا۔

اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نے جعفر بلوچ کو پہلی مرتبہ شاہ محمد غوث کی لائبریری میں منعقد ہونے والے ماہانہ مشاعرے میں سنا تھا۔ انتظار حسین نے اپنے کالم ''لاہور نامہ'' میں مولانا صلاح الدین احمد کو لاہور کا آخری پیدل آدمی شمار کیا تھا۔ ان کی وفات جون ۱۹۶۴ء میں ہوئی تھی۔ جعفر بلوچ ۱۹۶۹ء میں لاہور میں وارد ہوا تو وہ پیدل چلنے کی روایت اپنے ساتھ لایا تھا۔ جہاں کہیں مشاعرے کے انعقاد کی خبر سنی تو دعوت نامے کا انتظار نہ کرتا، اخبار کے تقریبات کے کالم سے مشاعرے کی تاریخ، مقام اور وقت نوٹ کر لیتا اور اپنے رحمان پورے والے گھر سے جس کی اُساری جعفر بلوچ نے خود کی تھی، پیدل چلتا اور بروقت مشاعرے میں پہنچ جاتا۔ سیکرٹری مشاعرہ اسے دیکھتے ہی اس کا نام شعراء کی فہرست میں درج کر لیتا۔ جعفر بلوچ بالعموم مشاعرہ گاہ میں سب سے پہلے پہنچتا اور سب سے آخر میں رخصت ہوتا......اس کا ریکسین کا تھیلا اس کا شناختی کارڈ تھا لیکن بعض لوگ اسے ''جعفر کی زنبیل'' بھی کہتے تھے۔ اس تھیلے میں پرانی کتابیں، اخبارات کے

تراشے، زیرِ تصنیف کام وغیرہ سب کچھ محفوظ ہوتا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ اسے اپنا دیوان چھپوانے کی ترغیب دی مگر وہ ہر مرتبہ طرح دے جاتا لیکن جب اس کا پہلا مجموعہ کلام ''اقلیم'' کے نام سے چھپا تو اس نے سب کو حیران کر دیا کہ یہ اُس کی قادرالکلامی کا مظہر تھا اور اس کی لفظیات سے جعفر بلوچ کے وسیع مطالعے اور اساتذۂ فن سے فیض حاصل کرنے کے آثار نظر آتے تھے۔ میرزا غالب، میر انیس، مولانا ظفر علی خان اور اقبال کے کلام کے بہت سے حصے تو جعفر بلوچ کو زبانی یاد تھے اور اس کی تحریر، تقریر اور تدریس میں کثرت سے استعمال ہوتے تھے۔ آخری مجموعۂ کلام ''برسبیلِ سخن'' تھا لیکن اس سے قبل نعت کا مجموعہ ''بیعت'' کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔ انٹرویو مطبوعہ ''الحمراء'' اگست ۲۰۰۸ء میں نعت کا ذکر آیا تو اس نے اپنے اوّلیں دور (۱۹۶۷ء) کے حسبِ ذیل دو نعتیہ اشعار پڑھے:

گر ہم گدائے کوچۂ خیر البشر بنیں　　ہم سے بلند مرتبۂ قدسیاں نہ ہو
ایسی جگہ بھی کیا کہیں باغِ جہاں میں ہے　　عکسِ جمال غیرتِ یوسف جہاں نہ ہو

اور اب غزل کے چند اشعار سنئے جن میں اقبال کا جلال اور ظفر علی خان کی روانی نمایاں نظر آتی ہے اور قوافی کا تجدد متاثر کرتا ہے:

لطائف جن کے آسکتے نہیں قیدِ عدد میں بھی　　عجب کردار ہوتے ہیں بشر کے خال وخد میں بھی
سنا ہے ہم نے یہ قولِ محال اہلِ بصیرت سے　　خرد ہے کچھ جنوں میں بھی، جنوں ہے کچھ خرد میں بھی
فقط خود پروری انساں کا منصب ہو نہیں سکتا　　کہ ایسا تو شعورِ زندگی ہے دام ودر میں بھی
دل کے آئینے روشن ہوں جعفر جس کے پرتو سے　　وہ سورج بجھ نہیں سکتا کبھی برجِ لحد سے بھی

آخری شعر سے میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ جعفر بلوچ بھی وہ سورج تھا جو ''برجِ لحد'' سے بھی بجھ نہیں سکتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی شخصیت کی تابانی سے شہرِ خموشاں، جہاں وہ آسودۂ خوابِ دائم ہے، تابندہ ہے۔